۷۷۔ عزیز احمد مدنی، "جدید اردو شاعری"، حصہ دوم، ص ۱۴

۷۸۔ افتخار جالب، "لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر" فرہنگ میر پور خاص، طبع اول ۲۰۰۱ء، ص ۲۶

۷۹۔ افتخار جالب، ص ۲۹، ۳۰

۸۰۔ افتخار جالب، ص ۳۱

۸۱۔ افتخار جالب، ص ۳۷، ۳۸

۸۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، ص ۵۳۸

ڈاکٹر نعیم مظہر/عتیق الرحمان یوسفزئی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

خیبر پختونخوا میں اردو نظم (آغاز تا قیام پاکستان)

Dr Naeem Mazhar

Assistant Professor, Urdu Department, NUML, Islamabad

Atiq ur Rehman Yousafzai

PhD Scholar, Urdu Department, NUML, Islamabad

Urdu *Nazm* in Khyber Pakhtunkhwa

This article is a study of the beginning of Urdu nazm of Khyber Pakhtunkhwa. Urdu nazm flourished here in 20th century but we can find a few good examples of Urdu nazm in 18th and 19th centuries also. We have a number of poets who composed nazms on different themes. There are prominent names like Ma'az ullah Khan, Qasim Khan Afridi, Haji Sarhadi, Riazi Sarhadi, Mudabbir Peshawari and Bedil Peshawari who got fame through their nazms. In 20th century poets like Mir Waliullah, Jaffari, Mulla Ramuzi, Riffat Bukhari, Mirza Mehmud Sarhadi, Rasa Barilvi and Jigar Kazmi brought a revolution in Urdu nazm of KPK. This article deals with Urdu nazm before partition.

نظم کی صنف اردو شاعری میں اولیت کا درجہ رکھتی ہے کہ اس کی ابتداء سب سے پہلے ہوئی غزل بہت بعد میں آئی اور پذیرائی حاصل کی۔ پختونخوا میں بھی نظم کی ابتداء پہلے ہوئی لیکن یہاں نظم نگاری کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں کہ کب اور کس نے نظم کی ابتداء کی، مشہور شاعر اور نقاد فارغ بخاری کے بقول پختونخوا میں نظم کی ابتداء ۱۸۸۰ء میں ہوئی، لیکن ان کی اس بات کا یہ

مطلب نہیں ہے کہ اس سے پہلے یہاں نظم کا وجود نہیں تھا۔تاریخی حوالوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نظم کی کئی اصناف جیسے مثنوی مرثیہ،حمد اور نعت وغیرہ سیکڑوں سال سے یہاں لکھی جا رہی تھیں لیکن بد قسمتی سے وہ دستبر دِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے اور ہم تک نظم کی کسی صنف کا نمونہ نہیں پہنچ سکا۔اس ضمن میں ہم محمد رفیق کی اردو مثنوی کا ذکر کر سکتے ہیں جس کا حوالہ عبدالحیٔ حبیبی نے اپنی کتاب 'پختانہ شعرا' میں دیا ہوا ہے،جس پر ۱۱۸۵ھ کی مہر ثبت ہے۔ان کے بعد نظم ہمیں معزاللہ خان مہمند کے ہاں ملتی ہے جن کا دیوان بیسویں صدی کے آخری نصف صدی میں دریافت ہوا ہے،ان کے دیوان میں بھی ایک مخمس موجود ہے۔ان کے مخمس کا نمونہ:

دل کوں غم دونا ہے ہوتا اس سجن کا دمبدم ۔۔۔ بان پلکوں کی میرے دل کوں لگا تا ہے صنم
خون میری سوں نہیں اس کوں ز روزِ حشر غم ۔۔۔ بر رکاب ابلق آنکھوں میرے کے رکھ قدم
چڑھ گیا ہے شہسوار اللہ والی الحفیظ' (۱)

قاسم علی خان آفریدی کے ہاں بھی نظم ملتی ہے،ان کے ہاں مخمس،قطعات اور پشتو طرز کا چاربیتہ پایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ ان کے ہاں سلسلہ قادریہ کے بزرگوں کی شان میں کہے ہوئے قصائد اور مناقب بھی ملتے ہیں جو یہاں کی نظم کی قدیم اشکال ہیں۔اردو کے علاوہ انہوں نے فارسی اور پشتو میں بھی نظم کہی ہے۔

انیسویں صدی کے کئی شعرا نے بھی نظم کو اپنایا لیکن ان کی ایک آدھ نظم کے علاوہ کوئی چیز ہمیں دستیاب نہیں ہوسکی۔اسی لیے فارغ بخاری کا ۱۸۸۰ء کے سال کو نظم نگاری کا نقطہ آغاز قرار دینا اس لیے درست ہے کہ اس دور میں یہاں مشاعروں کا باقاعدہ آغاز ہوا اور نظم کے شعرا منظر عام پر آ گئے۔پہلے ایک آدھ نظم جو لکھی جاتی اب ایک سلسلہ چل نکلا اور ان نظموں کی برملا تشہیر ہونے لگی۔نظم نگاروں کی ایک کھیپ تیار ہو رہی تھی۔اس لحاظ سے انیسویں صدی کے اواخر میں یہاں نظم نگاری کا باقاعدہ آغاز ہوا۔انیسویں صدی میں جن نظم نگاروں کے احوال معلوم ہیں،ان میں حاجی سرحدیؔ،بیدلؔ پشاوری،ریاضی سرحدیؔ،مدبر پشاوریؔ،برق گنجوی،سلطان فرخ اور نامی سرحدیؔ قابل ذکر ہیں۔ان شعرا کی نظمیں دستیاب ہیں۔ان کے علاوہ بھی اس دور کے کئی شعرا کے احوال معلوم ہونے کے باوجود ان کی صرف غزلیں مل سکی ہیں اور ان کی نظم کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

حاجی سرحدی نے لمبی عمر پائی اسی وجہ سے آپ نظم بیسویں صدی میں بھی سرعت کے ساتھ لکھتے رہے اور جگر کے بعد آپ کی نظم کا معیار سب سے بلند رہا۔رباعیات اور قطعات کو بھی اپنایا۔بیدلؔ اور برقؔ نے بھی نظم خوب کہی۔ایک خاتون شاعرہ کی نظم نعت اور حمد کی شکل میں دستیاب ہے جن کو ادبی دنیا سلطان فرخ کے نام سے جانتی ہے۔

بیدلؔ کی نظم میں صرف نعت اور حمد ملتے ہیں چونکہ ان کا تعلق تصوف سے تھا اس وجہ سے ان کے ہاں مذہبی رجحان پایا جاتا ہے۔ریاضی سرحدیؔ کا ایک چاربیتہ موجود ہے،جس کا حوالہ فارغ بخاری نے اپنی کتاب میں دیا ہے،'چاربیتہ' ایک پشتو صنف شاعری ہے اور ریاضی نے اردو میں بھی اس صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔چاربیتہ کے چند اشعار:

تیرے کوچے میں دل گنوا بیٹھے
بیٹھے بیٹھے یہ روگ لگا بیٹھے

پہلے تو پیار کرلیا اب کیوں ملے نجات ۔۔۔ برسوں میں ہم کو ملنے لگی حسن کی زکوٰۃ
اٹھنے کے اب نہیں تیرے در سے تمام رات ۔۔۔ ہم جان دے کے جائیں گے یا مان جاؤ بات

مدبر پشاوری نے ایک نظم 'مکالمہ لیلیٰ مجنوں' کے عنوان سے کہی جو بہت مشہور ہوئی۔ دو اشعار دیکھیے:

کہا لیلیٰ نے لاشے پر مرے مجنوں مرے مجنوں
لے جا گو، آ گئی دلبر، مرے مجنوں مرے مجنوں
اٹھا کر لاش مجنوں کی، لگا سینے سے یوں بولی
مجھے بھی ساتھ لے جا گھر، مرے مجنوں مرے مجنوں

یہ ان کی ایک طویل نظم ہے اور لیلیٰ کی فریاد کا مجنوں بھی سات، آٹھ اشعار میں جواب دیتا ہے۔ یہ نظم مدبر کی شہرت اور عظمت کے لیے کافی ہے۔ ان کے بعد برق صاحب کا ایک منظوم خط جگر کے نام ملتا ہے جو دلچسپ بھی ہے اور اس سے ان کی نظم نگاری کے فن پہ بھی روشنی پڑتی ہے۔ سلطان فرخ نے صرف نعت اور حمد کہے ہیں ان کی نعت میں پاکیزہ اور والہانہ عشقیہ جذبات پائے جاتے ہیں۔ نامی سرحدی کی نظم میں ان کی غزل کی سی اپچ نہیں ہے لیکن بہرحال انہوں نے نظم لکھ کر اس دور کے معدودے چند نظم نگاروں میں اپنا نام شامل کیا ہے۔ ان حضرات کے ہم عصروں نے بھی ان کی طرح نظمیں لکھی ہونگی لیکن کوئی نظم اس دور کی موجود نہیں جو نمائندگی کر سکے۔

بیسویں صدی کے آغاز ہی سے یہاں غزل کے ساتھ نظم بھی ایک مقتدر حوالہ رہی ہے۔ نظم کی ابتدا میر ولی اللہ، ملا رموزی ،مسجدی شاہ خادم، رفعت بخاری، بشیر حیدر کنول، مولانا عبدالرحیم پوپلزئی، رسا بریلوی، عنایت بخاری اور برگ سرحدی نے کی اور ان جیسے کئی شعرا نے اس صنف کو آگے بڑھایا۔ صدی کے آغاز سے لے کر قیام پاکستان تک ہم دیکھتے ہیں کہ نظم کے شعرا کی ایک پوری کھیپ یکے بعد دیگرے نمودار ہوتی ہے اور اپنا حصہ ادا کر کے چلی جاتی ہے۔ ابتدائی دس پندرہ سال کے دوران غزل کی مانند نظم پر بھی قدیم خیالات اور موضوعات چھائے رہے کوئی شاعر اپنے آپ کو پرانی ڈگر سے آزاد نہیں کر اسکا لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد جس طرح دنیا کے کئی شعبوں میں تبدیلی کا آغاز ہوا اسی طرح شاعری نے بھی کروٹ بدلی۔ اس دور میں آزادی کی تحریک نے بھی خاصا زور پکڑ لیا تھا جس کا براہ راست اثر شاعری پر ہوا، پختونخوا میں یہی دور نظم کا سب سے سنہرا دور تھا اس دور کے انقلابی جدوجہد اور خیالات نے شعروادب کے چہرے سے وہ مصنوعی نقاب ہٹا دیا جس نے اس کی حقیقی تصویر چھپا رکھی تھی۔

پختونخوا کی نظم میں بیسویں صدی کے ابتدائی چند عشرے نہایت اہم ہیں، اسی دور میں یہاں جدید نظم نگاری کا آغاز ہوتا ہے اور یہی وہ دور ہے جب ادبی انجمنوں کی بدولت نامور شعرا سامنے آتے ہیں۔ اسی دور میں یہاں کی علمی اور سیاسی پسماندگی بھی دور ہونے لگی، کئی بڑے اور منظم تعلیمی اور ادبی ادارے قائم ہوئے جن کی بدولت یہاں کے شعرا اور ادبا کی ذہنی آبیاری ہونے لگی۔ ادبی رسائل وجرائد کا دور شروع ہوا نہ صرف پشاور بلکہ کوہاٹ، ایبٹ آباد اور ڈیرہ اسماعیل خان جیسے دور افتادہ علاقوں میں بھی ادبی رسائل جاری کیے گئے۔ یہاں کے شعرا کی نظمیں برصغیر کے صف اول کے جرائد میں چھپنے لگیں، اسی طرح دوسرے ادبی مراکز کے شعرا کے ساتھ رابطے استوار ہوئے اور ملکی سطح پر اس پسماندہ سمجھے جانے والے صوبے کے شعرا کی پہچان ہونے لگی جس سے بجا طور پر یہاں کی شاعری خصوصاً نظم نگاری پر حوصلہ افزا اثرات پڑے۔

پختونخوا میں نظم گوئی بیسویں صدی کے آغاز میں چند شعرا کی مرہون منت رہی ہے۔ ان میں مسجدی شاہ خادم، میر ولی اللہ، آذر سرحدی، بشیر حیدر کنول، رفعت بخاری، جعفر علی جعفری سرحدی، عنایت بخاری اور عبدالرحیم پوپلزئی شامل ہیں۔ ان شعرا کے بعد قیام پاکستان سے پہلے تک کے دور میں نظم نگاروں کی ایک لمبی فہرست نظر آتی ہے، جن میں مولوی سلطان میر، اخگر

سرحدی، نذیرمرزا برلاس ،شاطر غزنوی، مرزا محمود سرحدی، لطف سرحدی ،اسیر انور ضیائی، رسا بریلوی ، ملا رموزی، مستور سرحدی، کیفی سرحدی، عزیز اختر وارثی ، ساحر آفاقی ، چمن پیر حیدری ، نانک چند ناز ، نظر سرحدی، کوکب تبریزی ، شوق سرحدی، مضطر سرحدی، کلیم افغانی، امانت سرحدی، برگ سرحدی اور سید شیرازی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

میر ولی اللہ، رفعت بخاری اور جعفری اس صوبے میں نظم کے قافلہ سالار تھے۔ میر ولی اللہ کی نظم میں عام طور پر دو مضامین سیاست اور معاشرت زیادہ ہیں۔ ان کی نظمیں 'سیر کشمیر'، 'موسیٰ اور شیطان'، 'خطاب بہ افاغنہ سرحد' اور 'ایک بے کس آوارہ لڑکی کو دیکھ کر' کے عنوانات کے تحت لکھی گئیں جن سے ان کے ہاں تنوع کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی سیاسی نظمیں بلند پایہ ہیں اور آج بھی سراہی جاتی ہیں۔ جعفریؔ نے مذہبی اور سیاسی نظمیں لکھیں ان کی ادبی نظمیں بھی بہت زیادہ تعداد میں ہیں، چونکہ وہ مذہباً شیعہ تھے اس لیے انہوں نے اہل بیت کی شان میں بہت کچھ کہا ہے۔ جعفری کی ادبی نظموں میں قدامت اور پرسودگی نمایاں ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

کیا اسے شام اودھ، صبح بنارس کی خبر　　　جس نے دیکھی ہی نہیں لیل ونہار اردو
کوئی سمجھے کہ نہ سمجھے یہ سمجھنے کی ہے بات　　　کہ وقار اہل وطن کا ہے وقار اردو

رفعت بخاری کی نظم نیچرل شاعری کی آئینہ دار ہے، ان کے ہاں سادگی ہے اور انداز ہلکا پھلکا ہے۔ وہ نہایت حساس واقع ہوئے تھے یہ چیز ان کی نظم میں بھی موجود ہے۔ رفعت نے اس ابتدائی دور میں بچوں کے لیے نظمیں لکھیں۔ ان کے ہاں تکنیک کے تجربات بھی پائے جاتے ہیں، انہوں نے حسن وعشق کے موضوع پر خوبصورت نظمیں کہی ہیں اور ان کی ایک نظم ''ماں'' بہت مشہور ہوئی۔ عنایت بخاری اور عبدالرحیم پوپلزئی نے اس خطے میں نظم کی ابتدا کی عنایتؔ کی نظم سیاسی اور معاشرتی رجحان کی حامل تھی اور رحیمؔ کی نظم مذہب تک محدود رہی اگرچہ بعض دوسرے مسائل پر بھی قلم اٹھایا مگر آپ کا زیادہ تر کلام ناپید ہے۔ عنایت بخاری کی نظم ''شکوہ مسلم'' اپنے زمانے کی مقبول ترین نظم تھی۔ ان کی نظمیں عام طور پر طویل ہوتی تھیں۔ رحیمؔ نے قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں اور اسیری میں جو کلام ترتیب دیا وہ مثالی ہے۔ اس حوالے سے یہ شعر پیش ہے:

؎ داد سے صیاد کچھ تو، حریت کا راگ ہم　　　عمر بھر زنجیر کی جھنکار پر گاتے رہے

چمن شاہ حیدری کی زیادہ تر نظموں میں مذہبی رجحانات نمایاں ہیں، ان کے ہاں جاندار حمد ونعت ملتے ہیں جن سے ان کی زبان وبیان اور سلاست کا پتہ چلتا ہے۔ نانک چند ناز کی نظموں میں جذبہ حریت پایا جاتا ہے انہوں نے تحریک آزادی کے حوالے سے نظمیں لکھیں اور بعد میں جب انکی صحافت عروج پر تھی تب انہوں نے فرقہ وارانہ فضا میں بھی نظمیں کہیں۔ اسی طرح مولوی سلطان میر نے رباعی اور حاجی محمد اعظم نے نعتیہ نظمیں کہیں، مضطرؔ، کنولؔ، اخگرؔ، اسیرؔ اور آذرؔ نے رباعی کو اپنایا اور اس صنف کو ترقی دی۔ ان شعرا میں سے اکثر نے قطعات بھی لکھے اور گیت پر بھی طبع آزمائی کی۔

مرزا محمود سرحدی اور ملا رموزی نے مزاحیہ نظم کی روایت قائم کی اور اسے آگے بڑھانے میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنے کی سعی کرتے رہے۔ محمود سرحدی کا کلام ایک ایسے دور میں سامنے آیا جب سنجیدہ شاعری کا دور دورہ تھا آزادی کی تحریک چل رہی تھی۔ ایسے میں ان کے کلام کا مشہور ہونا اس خطے کی نظم کے لیے کسی اعزاز سے کم نہ تھا۔ ملا رموزی کا مطالعہ وسیع تھا اور ان کے ہاں سیاسی شعور کی بیداری ملتی ہے۔ اس بارے میں ساجدہ پروین لکھتی ہیں:

''ملا رموزی بسیار گو تھے، لیکن ان کی تخلیقات زمانے کی خرد برد کی نظر ہو گئیں۔۔۔ وہ ایک جمال

دوست انداز میں قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور پھر اسے زندگی ۔۔کی بھیانک تصویر دکھا دیتے ہیں یہ خاص انداز ملا رموزی ہی سے مخصوص ہے'' (۲)

ان کی نظم 'اسکولوں کے استاد' سے چند اشعار پیش ہے:

اسکولوں میں استاد ہیں، فٹ بال کے ہمدم
آرائش و زینت میں یہ ہے دونوں کا عالم
استاد ہیں کمخواب تو شاگرد ہیں ریشم
لڑکے ہیں اگر ماہ تو یہ ماہ لقا ہیں
اسکولوں کے استاد بھی کیا جانیے کیا ہیں (۳)

اسی طرح نظم نگاری کے حوالے سے چند دوسرے نام بھی اہم ہیں ان میں شاطرؔ، برلاسؔ، رساؔ اور نظرسرحدیؔ شامل ہیں، رسا بریلوی کی نظم ایک مخصوص رنگ میں ہے اور قدیم رنگ سخن مین طبع آزمائی کی ہے ان کے ہاں رومانیت بھی ہے اور روزمرہ کے مسائل بھی موجود ہیں۔ بقول فارغ بخاری:

رسا بریلوی بلند پایہ اور کہنہ مشق شاعر ہیں جلے ہوئے اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے شعر کہتے ہیں، سوز و گداز کلام میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ (۴)

شاطرؔ کی نظم میں ایک خاص کیفیت اور تاثر ملتا ہے اس لحاظ سے وہ اپنے ہم عصروں میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں مشہور نظم نگار احمد ندیم قاسمی ان سے اصلاح لیتے رہے ہیں۔ سرحد کے پہلے گیت نگار بھی شاطرؔ ہی تھے۔ ان کے ہاں اختصار جامعیت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ نظرؔ اور برلاسؔ نے بھی نظم کہی، نظرؔ نعت اور منقبت تک محدود تھے جبکہ برلاسؔ نے غزل کے بجائے نظم کو اپنا مستقل صنف سخن بنایا اور نظم میں بھی بہت احتیاط سے کام لیا خاص موضوعات پر نظم کہتے تھوڑا کہتے لیکن معیار کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ ان کی نظموں میں اپنے اردگرد کے ماحول کی تصویر کشی ملتی ہے، ان کی نظمیں 'رنگین وادی'، 'مسافر'، 'میری منزل'، 'گل فروش'، 'دختر صحرا'، 'آزاد ملاح' اور 'مزدور لڑکی' جیسے عنوانات کے تحت لکھی گئیں ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

افق کے اس طرف کہتے ہیں اک رنگین وادی ہے
وہاں رنگینیاں کہسار کے دامن میں سوتی ہیں — گلوں کی نکہتیں ہر چارسو آوارہ ہوتی ہیں
وہاں نغمے صبا کی نرم رو موجوں میں رہتے ہیں — وہاں آب رواں میں مستیوں کے رقص بہتے ہیں
وہاں ہے ایک دنیائے ترنم آبشاروں میں
وہاں تقسیم ہوتا ہے تبسم لالہ زاروں کا

مستور سرحدیؔ اس خطے میں نظم کی ایک توانا آواز رہی، آپ کی نظم اعلیٰ تخیل، جدت فکر اور معنی آفرینی کے حوالے سے دلکشی رکھتی ہے۔ آپ کی نظم میں جدید رجحانات بھی ملتے ہیں۔ اسی طرح عزیز اختر وارثی کی نظم زیادہ جاندار ہے ان کی نظم میں غزل کی طرح مایوسی کا تاثر نہیں ملتا۔ اس میں زندگی کی ایک امنگ اور ولولہ پایا جاتا ہے۔ ان کی نظم کے حوالے سے فارغ بخاری رقمطراز ہیں:

نظم میں ان کی آواز بھرپور ہے، اس میں روح ہے، قوت ہے، وثوق ہے۔۔۔ نظم میں ان کے نظریات بھی کھل کر سامنے آتے ہیں اور نظم میں غزل والی قنوطیت بھی عنقا ہے۔ (۵)

نعت گوئی اور حمد گوئی کے بارے میں اگر ہم یہ کہیں کہ پختونخوا میں نظم کی ابتدا انہی اصناف سے ہوئی تو بے جانہ ہوگا قدیم شاعری میں بھی نعت اور حمد کے آثار پائے جاتے ہیں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں بھی شعرا کی اکثریت نے انہی اصناف کو اپنایا، چند ایک خواتین شعرا نے تو اس صنف کے بغیر کچھ اور لکھا ہی نہیں۔ان شعرا میں حاجی محمد اعظم جعفر علی جعفری، مولوی سلطان میر، سید محمد شاہ محدث ہزاروی، چن شاہ حیدری، عبدالرحیم پوپلزئی، خواجہ الٰہی بخش صابر، صحیح سالم ،سردار عبدالرب نشتر اور عزیز اختر وارثی کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔

صحیح سالم نے مراثی، سلام اور نعت کو اپنایا اور اردو فارسی میں خوب لکھا، ان کا تعلق مذہبی گھرانے سے تھا اور دینی علوم میں ان کو ملکہ حاصل تھا اس وجہ سے ان کی حمد ونعت میں عربی اور فارسی تراکیب سلجھے ہوئے انداز میں ملتے ہیں۔جعفری تو اس فن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، ان کی تمام تر شاعری مذہبی رجحانات کی حامل ہے۔وہ بچپن سے مجالس عزا میں شرکت کرتے اور وہاں مراثی اور سلام پڑھتے، قصیدے، قطعات اور حمد ونعت میں ان کی ساری زندگی بیتی۔آپ کی ایک بیٹی نوعمری ہی فوت ہوگئی تھی اس وجہ سے آپ نے مکمل طور پر مذہبی شاعری کو اپنایا اور پھر کوئی اور صنف نہیں اپنائی۔پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی ایک مذہبی شخصیت تھے اس وجہ سے ان کا سارا کلام نعتیہ ہے۔ان کی نعت کا ایک نمونہ:

خدا کا بندہ وہی ہے جو ان کا ہے خادم   نہیں وہ عبد خدا ان کا جو غلام نہیں
وہ جس سے منع کریں وہ کبھی حلال نہیں   جسے حرام نہ فرمائیں وہ حرام نہیں (۶)

مولوی سلطان میر نے اس خطے میں نعت اور حمد جیسی اصناف کی باقاعدہ ابتدا کی اور ان کی تقلید کئی شعرا نے کی، ان کی نعت زبان و بیان کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے آپ عربی فارسی کے عالم تھے اس وجہ سے آپ کی نعت انفرادیت رکھتی ہے۔ان کے صاحبزادے میر ولی اللہ ایک شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی شخصیت بھی تھے۔آپ کا کلام اس بات کا ثبوت ہے اور آپ کی لافانی مذہبی تصنیفات وتراجم اس دعوے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ان کے کئی مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں ان سب میں ان کی نعتیں موجود ہیں: نعتیہ کلام ملاحظہ ہو:

راہ اسلام میں شمشیر زنی کی تو نے   کفر کے سینے پہ ناوک فگنی کی تو نے
دیر دنیا میں عجب بت شکنی کی تو نے   شرک والحاد کی کیا بیخ کنی کی تو نے (۷)

عبدالرب نشتر اور چن شاہ حیدری نے بھی نعت کہی، دونوں کا جھکاؤ مذہب کی طرف تھا۔نشتر سیاسی اور معاشرتی شاعری کے علاوہ مذہبی شاعری بھی کرتے تھے۔فارغ بخاری ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> نشتر صوفی منش ہوتے ہوئے بھی ایک باعمل انسان ہیں۔۔۔شدھی کی تحریک چلی تو ان میں مذہبی حس بیدار ہوئی اور انجمن تبلیغ اسلام کی بنیاد ڈالی۔ (۸)

چن شاہ حیدری پرہیزگار انسان تھے، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور راہ سلوک کے مسافر تھے۔ان کی شاعری زیادہ تر مذہبی ہے انہوں نے حمد ونعت بے تحاشا کہے ہیں۔

مرثیہ بھی نعت اور حمد کی طرح پرانے زمانے سے لکھا جا رہا ہے۔اس صنف کو برصغیر کے اکثر علاقوں کے شعرا کی طرح شیعہ مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے شعرا نے ترقی دی۔جن میں جعفری، مسجدی شاہ خادم، سائیں اور جگر کاظمی قابل ذکر ہیں۔سائیں کا زیادہ تر کلام ہندکو زبان میں ہے جن کے تراجم اردو میں ہو چکے ہیں۔مسجدی شاہ خادم کے مرثیے اعلیٰ پائے کے

ہیں،ان کے مرثیے کے بارے میں فارغ بخاری کی رائے پیش ہے:

جہاں تک مرثیے کا تعلق ہے خادم کا مقام اس لیے بھی بلند ہے کہ انہیں یہاں اس صنف میں اولیت کا فخر حاصل ہے ویسے ان کا مرثیہ زیادہ بلند پایہ نہیں تو کم پایہ بھی نہیں کہلا سکتا۔ (۹)

ایک بند ملاحظہ کیجیے:

دیکھ کر چاروں طرف کرنے لگے شیون وشین　　نہ علمدارؑ نہ اکبرؑ تھے نہ قاسمؑ نہ حسینؑ
تھے کھڑے اہل ستم سامنے با تیغ و سنین　　بولے زینبؑ سے کہاں ہیں وہ شہ بدرؑ وحنین
دیکھیں سر بچوں کے نیزوں پہ چڑھائے ہم نے
اہل بیتؑ ان کے اسیر آج بنائے ہم نے

جعفریؔ کی بیٹی کی وفات ان کی زندگی کا ایک دلخراش واقعہ تھا جس نے انہیں ہلا کر رکھ دیا اس حادثے کے بعد ان کا رجحان مرثیے اور دوسرے مذہبی اصناف کی جانب مبذول ہوا۔ان کا مرثیہ سب سے زیادہ جاندار اور پختہ ہے۔جگر کاظمی نظم کی اصناف میں قصیدہ،سلام،مرثیہ کہتے تھے۔عام غیر مذہبی نظمیں بھی ان کی خاصی شہرت کی حامل ہیں،جگر کے مرثیے اور سلام میں کوئی قابل ذکر خوبی نہیں پائی جاتی البتہ اس صنف کے اولیں شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ان کی نظم کا اسلوب بھی پرانا ہے۔ان کے مرثیے کے چند اشعار پڑھیے:

فرحت افزا ہے سماں راہ پہ ہے دور فلک　　تو بھی کچھ آج نئے طور سے کر میری کمک
اور دعویٰ سے یہ کہہ دے کہ جسے دعویٰ ہے　　شیر میداں وہ بنے حیلے تراشے نہ پشک

امانت سرحدی ابتدا سے مجالس عزا میں خوش الحانی سے مراثی پڑھتے،بعد میں خادم کے شاگرد ہوئے اور اس طرح ان کے اس فن کو اور بھی تقویت حاصل ہوگئی۔مرثیے کے علاوہ وہ نظم کے بہترین شاعر مانے جاتے ہیں۔

مثنوی کی صنف اگرچہ اردو شاعری میں قدیم دور سے موجود رہی ہے لیکن اس صوبے میں اس صنف کو زیادہ توجہ نہیں ملی۔صرف غلام حسین مسکرؔ کے بارے میں یہ رائے ہے کہ انہوں نے ایک مثنوی لکھی لیکن وہ بھی دستبرد زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکی اور اس وجہ سے ہمیں مثنوی کے وجود کا یہاں کوئی علم نہیں۔عین ممکن ہے کہ قدیم شعرا نے مثنویاں لکھی ہوں لیکن اس کے کوئی ٹھوس شواہد موجود نہیں ہیں۔

قصیدہ کی صنف تو بادشاہوں کے درباروں کے ساتھ منسلک تھی ان کے تخت اجڑ گئے تو قصیدہ بھی اپنی انجام کو پہنچ گیا لیکن پھر بھی برصغیر پاک و ہند میں قصائد لکھے گئے۔پختونخوا میں چند شعرا نے اس صنف کو زندہ رکھنے کی کوشش کی ان میں جعفر علی جعفریؔ،جگر کاظمی اور کوکب تبریزی کے قصائد زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔

جعفری ہمہ جہت شاعر تھے انہوں نے غزل،رباعیات اور مرثیے کے ساتھ قصیدے بھی لکھے ہیں۔ان کا قصیدہ اتنا بلند مقام اگرچہ نہیں رکھتا لیکن وہ ان چند شعرا میں سے تھے جنہوں نے اس دور میں اس صنف کو اپنایا وہ اپنے مقلدین کے لیے مشعل راہ تھے۔جگر کاظمی نے بھی قصیدے پر طبع آزمائی کی،درحقیقت آپ فارسی میں بہت اعلیٰ قصیدے لکھتے تھے اسی وجہ سے اردو میں بھی اس صنف کو اپنایا۔آپ کو والئی چترال کی طرف سے ان کی شان میں ایک قصیدہ لکھنے کے عوض 'خاقانی سرحد' کا خطاب دیا گیا تھا اور خلعت فاخرہ سے بھی نوازا گیا تھا۔اردو زبان میں ان کے قصائد کی تعداد کم ہے۔

کوکب تبریزی کی طبیعت قصیدے کی طرف زیادہ مائل تھی اور انہوں نے دل وجان سے اس صنف کو برتنے کی ازحد کوشش کی انہوں نے اس دور کے نامور شخصیات کی شان میں قصائد لکھے اور وہ اسی وجہ سے مشہور بھی ہوئے۔

رباعی ایک ایسی صنف ہے جسے یہاں کے تقریباً ہر شاعر نے اپنایا لیکن بعض لوگ ایسے ہیں جن کی وجہ سے رباعی اس صوبے میں زندہ رہا اور انہوں نے اسے خوب ترقی دی ان میں مولوی سلطان میر، جعفر علی جعفری، مضطر سرحدی، بشیر حیدر کنول، میر ولی اللہ، اخگر سرحدی، سردار عبدالرب نشتر، اسیر انورضیائی اور آذر سرحدی کے نام نمایاں ہیں۔

مولوی سلطان میر نے رباعی کو پروان چڑھایا ان کی اکثر رباعیات مذہبی خیالات پر مبنی ہیں۔ رباعیات زیادہ تر دعائیہ ہیں۔ ان کی شاعری کے کئی کتابچے موجود ہیں جن میں زیادہ تر نعتیہ کلام اور رباعیات ہیں۔ ''صدائے میر'' نامی کتابچے میں رباعیات کی تعداد زیادہ ہے۔ ایک دعائیہ رباعی پیش ہے:

حمد تیری جو تیرے شایان ہے — وہ کُجا اور کجا یہ انسان ہے
جس کو لولاک کا خطاب ملا — ما عرفناک اِس کا فرمان ہے

میر ولی اللہ نے بھی رباعیات لکھیں انہوں کئی موضوعات کو اپنایا لیکن خاص طور پر ان کی رباعیات میں قومی اور آفاقی جذبات پائے جاتے ہیں۔ حال ہی میں میر ولی اللہ کی رباعیات کی شرح پروفیسر بشیر احمد سوز نے شائع کی ہے۔ میر ولی اللہ کے بعد ہزارہ کے ایک اور شاعر بشیر حیدر کنول کا نام رباعی کے ضمن میں لیا جاسکتا ہے، انہوں نے رباعیات میں عمومی مسائل کو جگہ دی۔ جعفرؔی کی رباعیات میں اپنے دور کی تصویر بھی ہے اور اس نے اپنے دکھ درد اور مصائب کو پیش کرنے کے لیے بھی رباعی کا سہارا لیا ہے۔ اپنے دردمندانہ تاثرات کو انہوں نے نہایت دلخراش انداز میں نظم کیا ہے، ملاحظہ ہو:

لکھتا ہوں جو احوال قلم رکتا ہے — گر ضبط فغاں کرتا ہوں دم رکتا ہے
چلتا ہوں رہ صبر ورضا پر دو گام — اے جعفرؔی لغزش سے قدم رکتا ہے

مضطر سرحدی اور آذر سرحدی کے نام بھی رباعی کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں۔ آذر سرحدی نے تمام اصناف کو اپنایا یعنی نظم، غزل، رباعی، قطعات اور گیت سب کچھ کہتے رہے۔ فارسی سے بھی خاصا شغف رہا اور رنگ سخن قدیم تھا اس کی وجہ بھی فارسیت ہی تھی۔ مضطر نے نظم اور رباعی کی صنف میں خوب نام کمایا اور اپنے اردگرد کے مسائل کو سامنے لانے کی بھرپور کوشش کی۔ مضطر کی رباعی کی ایک مثال:

طفلی و ضعیفی و جوانی فانی — یہ باد یہ خاک یہ پانی فانی
اک ذات خدا کو ہے بقائے مضطر — اس دہر کی ہر چیز ہے فانی فانی

اسیر انورضیائی اور اخگر سرحدی اس فن کے نوجوان شعرا تھے انقلابی سوچ کی بدولت رباعی ان کی طبیعت کو بھا گئی تھی اسی وجہ سے وہ کامیاب بھی رہے۔ فارغ بخاری اخگر سرحدی کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

''نظم اور رباعی میں تو آپ (اخگر) آتش وخون سے کھیلتے نظر آتے ہیں۔'' (۱۰)

ان کی رباعی کی مثال: پھوٹی ہوئی قسمت کی شکایت کب تک — لب پر یہ غلامی کی حکایت کب تک
اٹھو کہ بدل دیں یہ نظام عالم — ناداری ونکبت کی نہایت کب تک

نشترؔ نے بھی رباعی پہ طبع آزمائی کی ان کی رباعیات میں اصلاحی پہلو نمایاں ہے۔ بعض رباعیات میں اس زمانے میں

مسلمانوں کی حالت زار کارونارویاہے۔اسیرانورضیائی کے کلام میں یاس وقنوطیت حد سے زیادہ موجود ہے۔جس طرح ان کی غزل پر مایوسی اور اداسی چھائی ہوئی نظر آتی ہے اسی طرح ان کی رباعی بھی انہی خیالات کے زیر اثر ہے۔رباعیات میں بھی زمانے کی شکایت اور وہی مرنے کی شدید خواہش اور ہوس پائی جاتی ہے۔مثلاً:

اس کش مکش رنج والم سے چھوٹوں　　　دنیا کے اس اندوہ وستم سے چھوٹوں
ٹوٹے بھی کہیں سلسلہ تار حیات　　　موت آئے الٰہی کہ میں غم سے چھوٹوں

نوحہ،سلام ومنقبت کے اصناف کا تعلق شیعہ مسلک سے ہے اور مجالس عزا وغیرہ میں یہی چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ یہاں کے اکثر شعرا کا تعلق اسی مسلک سے تھا یہی وجہ ہے کہ شعرا کی اکثریت نے نوحے،سلام اور مناقب بہت زیادہ کہے ہیں۔بیشتر شعرا نے آغاز ہی انہی اصناف سے کیا وہ شاعر نہ تھے لیکن مجالس میں بار بار شرکت کی بدولت ان کو شاعری کا شوق ہوا ان میں سائیں احمد علی پشاوری،مسجدی شاہ خادم،فتح شاہ نشتر اور جعفری وغیرہ شہرت رکھتے ہیں یہ لوگ اردو کے علاوہ فارسی زبان میں بھی نوحے اور سلام کہتے اور داد وصول کرتے۔سائیں اس خطے میں سلام اور نوحہ کہنے والے سب سے بڑے شاعر تھے اگرچہ ان کی اکثر شاعری ہندکو میں ہے لیکن اردو میں بھی ان کا کلام پایا جاتا ہے۔لیکن تلاش بسیار کے بعد ان کے لکھے ہوئے چند سلام دستیاب ہوئے ہیں۔ان کے سلاموں میں صرف عقیدت واحترام میں رچے ہوئے جذبات ملتے ہیں۔ان میں قدیم رنگ نمایاں ہے اور کوئی گہرا فلسفہ ان میں نہیں ملتا۔مسجدی شاہ خادم نے سلام کہنے میں سب پر برتری حاصل کی تھی ان کا سلام نہایت اپج والا اور جاندار ہوتا تھا اس میں غزل کی سی چاشنی ملتی ہے۔ان کا 'سلام' پیش ہے:

بجز مدح حیدر سہارا نہیں　　　کوئی بات مجھ کو گوارا نہیں
ہیں ہم خادم اہل بیتؑ نبی　　　جو منکر ہو ان سے ہمارا نہیں
نہیں غم جہنم کا مجھ کو ذرا　　　جلے گا جو حیدر کا پیارا نہیں
ہوا شمع محفل یہ خادمؔ کا شعر
ضیا جو نہ رکھے وہ تارا نہیں

فتح شاہ نشتر نے ابتدا ہی نوحے اور سلام سے کی اور جس ماحول کے وہ پروردہ تھے اس میں لازم تھا کہ وہ انہی قدیم اصناف میں طبع آزمائی کرتے ان کا رنگ سخن بھی قدیم تھا فارسی زبان ان کے گھر میں بولی جاتی تھی اسی وجہ سے ان کے ہاں فارسیت کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ان کی طرح جعفری بھی شیعہ مسلک کے پیروکار تھے اور سلام ومناقب کی طرف رجحان زیادہ تھا۔شروع میں مجالس کے دوران میرانیسؔ اور دبیرؔ کے مراثی پڑھتے تھے بعد میں خود بھی بہت زیادہ سلام اور مراثی لکھتے رہے ہیں جو ان کی پہچان رہی ہے۔ان کے بارے میں فارغ بخاری کہتے ہیں:

> ''جعفری نے مذہبی شاعری بہت کی ہے جس میں نعت کم۔۔مرثیے،خمسے،مسدس زیادہ اور سلام بہت زیادہ ہیں۔سلام بڑی کاوش سے کہے ہیں۔نئی نئی زمینوں،چلتی ردیفوں اور قافیوں میں خوب خیال آرائی کی ہے۔'' (۱۱)

قطعات اس صوبے کے شعرا نے بہت زیادہ لکھی ہیں۔یہ نظم کی ایک مختصر اور جامع قسم ہے جس میں شاعر صرف چار مصرعوں کے ذریعے اپنا مافی الضمیر با آسانی بیان کرسکتا ہے۔قیام پاکستان سے پہلے اور بیسویں صدی کے اوائل ہی سے یہاں

قطعات نگاری ہو رہی تھی اور اس فن کے پرانے شعرا موجود تھے۔ان شعرا میں جعفری، میر ولی اللہ، ڈاکٹر دوست محمد خان، سید شیرازی، آذر سرحدی، کیفی سرحدی، عشرت ملک وغیرہ نے اس فن میں نام کمایا ہے۔

جعفری دوسری اصناف کی طرح قطعات بھی سرعت سے لکھا کرتے تھے اور اس خطے میں کئی شاعران کے قطعات کی تقلید کرتے نظر آتے تھے، ان قطعات میں وہ مذہبی اور معاشرتی مسائل کو پیش کرتے تھے۔ان کے بعد اس صنف کو اپنانے والوں میں میر ولی اللہ اور ڈاکٹر دوست محمد خان کے نام آتے ہیں۔ان دونوں حضرات نے مختلف موضاعات کو قطعات کے لیے منتخب کیا اور داد وصول کی۔میر ولی اللہ کے قطعات ان میں زیادہ جاندار اور وقیع تھے۔میر ولی اللہ کے قطعات کا نمونہ:

بوسہ رخ کی آرزو کیسی	تشنہ لب بر کنار آب ہوں میں

ایک دن ان کا ہاتھ چوم لیا	آج تک موردِ عتاب ہوں میں

سید شیرازی، آذر سرحدی اور کیفی سرحدی نے بھی قطعات نگاری کی۔سید شیرازی انقلابی ذہن رکھنے والے شاعر تھے، یہ چیز ان کے کلام میں نمایاں ہے اور ان کی قطعات میں اور بھی واضح نظر آتا ہے۔آذر سرحدی کے اکثر قطعات جاندار ہیں اور ان میں جذبہ دکھائی دیتا ہے ان میں وطن کی محبت اور اپنے لوگوں کی بے بسی کے حوالے سے جو قطعات ہیں وہ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ان میں فن کی خوبیاں نمایاں ہیں۔آذر سرحدی کا ایک قطعہ:

میں نے ہر سمت المناک اداسی دیکھی	یہ زمین اس بھری برسات میں پیاسی دیکھی

کشتیِ قوم رواں دیکھی ہے دھارے کی طرف	ناخداؤں میں نہ طوفان شناسی دیکھی

قطعات کے حوالے سے کیفی سرحدی کا نام بھی نمایاں طور پر لیا جا سکتا ہے۔وہ قدیم اندازِ سخن رکھتے ہیں اگر چہ وہ جدید دور کی طرف مائل ہیں۔ان کے قطعات میں زندگی کے روشن پہلوؤں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔عشرت ملک کے قطعات بھی نہایت جاندار اور پرسوز ہیں۔ان کے قطعات میں جدید معاشرے کے مسائل اور شاعر کے دل کی آواز سنائی دیتی ہے۔مثال پیش ہے:

یاس و امید کے پرہول دوراہے میں قدم	لڑکھڑاتے ہوئے لمحات کے یوں پڑتے ہیں

جس طرح شام و سحر دست و گریباں ہو کر	ظلمت و نور کی چادر کے لیے لڑتے ہیں

گیت نگاری میں بھی یہ خطہ برصغیر کے دوسرے خطوں سے پیچھے نہیں رہا۔اس خطے نے نہایت اچھے گیت نگار پیدا کیے جن میں آذر سرحدی، بشیر حیدر کنول، شاطر غزنوی، عشرت ملک اور قمر سرحدی کی حیثیت سب سے زیادہ مستند ہے۔آذر سرحدی کا نام ان سب میں اس لحاظ سے منفرد ہے کہ انہوں نے فلمی گیت بھی لکھے اور وہ مشہور بھی ہوئے۔۱۹۴۲ء میں آپ کے فلمی گیت منظرِ عام پر آئے جب پورے برصغیر میں فلمی صنعت کا صرف بمبئ میں آغاز ہوا تھا۔

شاطر غزنوی کو سرحد میں پہلے گیت نگار کا اعزاز حاصل ہوا انہوں نے بھی تلاش معاش کی خاطر بمبئ کا رخ کیا۔جہاں آپ نے نہ صرف گانے لکھے بلکہ بعض فلموں کی کہانیاں بھی لکھیں۔ان فلموں کے گانے بہت کامیاب رہے۔افسوس کہ ان کے گیتوں کا سرمایہ محفوظ نہیں رہ سکا۔بشیر حیدر کنول نے نظم کی دوسری اصناف کے ساتھ ساتھ گیت بھی لکھے اور یہاں کے کئی شعرا کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے۔ان کے گیت جھنکار اور موسیقیت سے لبریز ہیں۔ان کے ایک گیت کے دو بند پیش ہیں:

چھیڑا کس نے ساز

تھرک رہے ہیں چاند ستارے　　　کرن کرن کے جھرنے دھارے
من گاتا ہے راگ نیارے　　　تھرکیں روح کے تار

قمر سرحدی نے بھی گیت لکھے اوران کے گیت بھی خاصے مشہور ہوئے۔ وہ ڈرامہ نگار بھی تھے اسی وجہ سے انہوں نے اپنے ڈراموں کے لیے گیت اور کورس بھی لکھے۔ آپ اس صوبے میں گیت نگاری کرنے والے ابتدائی شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔

ہجو نگاری کے حوالے سے بھی یہ خطہ پیش پیش رہا۔ جب یہاں باقاعدہ انجمنوں کا قیام عمل میں آیا اور پہلی انجمن کے بعد جب اس کے مقابلے میں دوسری ادبی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی تو یوں ہجو نگاری کو زیادہ تقویت ملی۔ 'بزم سخن' کی تشکیل ۱۹۰۳ء میں ہوئی اوراس کے بعد چند احباب کی ناراضگی کے سبب ایک نئی انجمن 'لطف سخن' بنائی گئی اوراس طرح باقاعدہ ادبی معرکوں کا آغاز ہوا، اس دوران دونوں طرف کے شاعر رات بھر بیٹھ کر ہجویات لکھتے اور صبح جا کر اپنی اپنی بزم میں سناتے ان شعرا میں رفعت بخاری، سید شیرازی، امانت سرحدی اور جعفری زیادہ نمایاں ہیں۔

جعفری کو اس فن میں بے حد شہرت حاصل ہوئی انہوں نے کبھی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جب کسی کو نیچا دکھانا ہوا اس نے ہجو لکھی اور داد پائی۔ ان کی اس ادا کے بارے میں فارغ بخاری کہتے ہیں:

> ہجو میں جعفری کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس کی شوخ وشنگ طبیعت ان۔۔۔ میں خوب چلتی تھی اس پر وہ امّی بھی تھے اس لیے انہیں جرأت سے بڑی مناسبت تھی لیکن ان کے حسرت ناک انجام پر نظر کی جائے تو وہ انشا سے ملتا جلتا ہے۔ (۱۲)

جعفری کی اکثر ہجوا تنی زیادہ مبتذل قسم کی ہیں کہ یہاں تہذیب مجھے اجازت نہیں دیتی کہ ان کی مثال پیش کروں۔

رفعت اور سید شیرازی کے ادبی معرکے زیادہ مشہور ہوئے اوراسی طرح کے معرکے یہاں ادبی ہنگاموں کا مزا دوبالا کرتے رہے۔ 'بزم سخن' سب سے اولین ادارہ تھا بعد میں جتنی ادبی انجمنیں بنیں سب کے ساتھ اس انجمن کی چپقلش رہی اور اس طرح ہر دو اطراف سے ایک دوسرے کی رقابت میں ہجویں لکھی گئیں۔ 'لطف سخن' کے بعد 'بزم افکار' شروع ہوئی اوران کے بعد 'دائرہ ادبیہ' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ان سب انجمنوں کا رقیبانہ رویہ بزم سخن کے ساتھ قائم رہا۔ اس زمانے میں یہاں پر ریڈیو سٹیشن قائم ہو چکا تھا۔ ریڈیو کے ایک مشاعرے کے بعد جس میں شعرا نے ایک دوسرے کے خلاف ہجو پڑھے تھے، بزم والے ریڈیو پاکستان کے سامنے سراپا احتجاج بن گئے اوراس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریڈیو کو چارو نا چار مشاعرے نشر کرنا بند کرنے پڑے۔ ایڈورڈز کالج کے ایک مشاعرے میں بھی یہ لوگ آمنے سامنے ہوئے اور وہاں بھی ایک دوسرے پہ خوب چوٹیں کیں۔ اس مشاعرے میں جعفری نے سب سے پہلے اشعار پڑھے اور پہلا نشانہ داغا، ان سے یوں مخاطب ہوئے:

اس مشاعرے کے بارے میں ڈاکٹر ناہید رحمان کہتی ہیں کہ:

> بزم سخن اور دائرہ ادبیہ والوں کا تاریخی معرکہ بھی ایڈورڈز کالج کے مشاعرے کی بدولت ہوا۔ ان دنوں دائرہ ادبیہ کے سربراہ ضیاء جعفری تھے اور بزم سخن کی باگ ڈور برق کوہاٹی کے ہاتھ میں تھی۔ دائرہ ادبیہ۔۔۔ میں خالص مکی اور جگر کاظمی نمایاں تھے جبکہ بزم سخن میں جعفری، میر عباس میر، رضا ہمدانی، کیفی سرحدی اور ناصر علی ناصر اور دوسرے شعرا شامل تھے۔ (۱۳)

اس طرح کی چپقلشوں کے بعد بات ہجویات تک محدود نہ رہی اور کئی مرتبہ ان شعرا اور ادبا کے درمیان تلخی اتنی بڑھ جاتی

کہ بات ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی ،یوں کچھ عرصہ ادبی سرگرمیاں ماند پڑ جاتیں لیکن پھر کچھ عرصے میں دونوں بزم معمول پر آجاتے۔اگرغور کیا جائے تو یہ معرکہ آرائیاں ایک طرح سے ادب کے فروغ کا باعث بنی اوران کی بدولت کئی اچھے مشاعرے ہوئے جن کی مدد سے نئے شعرا میدان میں آتے رہے، جونظم کا دامن اور بھی پھیلاتے رہے۔

حوالہ جات:

۱۔ معزاللہ خان مہمند،''معزاللہ خان مہمند کا اردو کلام''پشتو اکیڈمی یونیورسٹی آف پشاور ۱۹۶۲ء ص ۳۸،۳۷

۲۔ پروفیسر بشیر احمد سوز،''ملا رموزی، گلابی اردو کے موجد''ہزارہ چیئر، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ ۲۰۱۲ء ص ۱۶۶،۱۶۷

۳۔ ساجدہ پروین،''صوبہ سرحد میں طنز و مزاح کی روایت''،مشمولہ''پاکستان میں اردو''،جلد سوم،مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد،۲۰۰۶ء، ص ۲۰۰

۴۔ فارغ بخاری،''ادبیات سرحد''(جلد سوم) نیا مکتبہ پشاور،۱۹۵۵ء ص ۳۸۱

۵۔ ایضاً ص ۵۴۳

۶۔ پروفیسر بشیر احمد سوز،'ہزارہ میں نعت'ادبیات ہزارہ،ایبٹ آباد ۲۰۰۹ء ص ۹۳

۷۔ ایضاً ص ۹۶

۸۔ فارغ بخاری،''ادبیات سرحد''(جلد سوم) نیا مکتبہ پشاور،۱۹۵۵ء ص ۳۱۹

۹۔ ایضاً ص ۱۹۹

۱۰۔ ایضاً ص ۵۲۶

۱۱۔ ایضاً ص ۳۰۹۔۳۱۰

۱۲۔ ایضاً ص ۳۰۵

۱۳۔ ڈاکٹر ناہید رحمان،''صوبہ سرحد کے ادبی معرکے''،مشمولہ''پاکستان میں اردو''،جلد سوم،مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد،۲۰۰۶ء، ص ۲۳۷